مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ اور مطالعہ ہندومت: تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر ضیاء الرحمن* ڈاکٹر عتیق الرحمن**

Abstract

Maul┐ na San┐ nullah Amritsar┘ and Hinduism

The history of Subcontinent is witness that the Hindu creed has always struggled to establish its superiority. It not only exiled all those religions that originated in the territory of India but also merged all the religions that came from the outer world. The case of Islam is exceptional. It impressed the natives with its truthfulness and it became its largest minority in a very short period of time. Although the basis of Islam was attacked many times and efforts were made to create misconceptions in its teachings but it found *ulam┐* ' and scholars in every era who resisted the adversaries by utilizing all their abilities. One of those illustrious names is *Maul┐ na San┐ nullah Amritsar┘* . He shielded the cause of Islam with his tongue and pen. When the Hindu creed attached in its new form of *Arya Sam┐ j*, he not only defended Islam with his tongue and pen but also exposed the reality of Hindu creed. He presented a critical analysis of its basic literature and exposed the real personality of its originator *Sw┐ mi Dayanand Saraswati*. This research paper focuses on the efforts of *Maul┐ na San┐ nullah Amritsar┘* . A critical analysis of his books, journals and polemical efforts is also presented.

Keywords: Hinduism; Comparative Religion; *Maul┐ na San┐ nullah Amritsar┘* ; *Sw┐ mi Dayanand Saraswati*

جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد بر صغیر میں جب مسلمان سیاسی اعتبار سے مغلوب ہو گئے تو مسلم دشمن قوتوں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اہل اسلام کی مذہبی بنیادوں پر منظم حملے شروع کر دیئے۔ ان حملہ آوروں میں عیسائی مشنری، مرزائی، اور آریہ سماج کے نام نمایاں ہیں۔ انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کے مقدس ترین مذہبی اثاثے یعنی کتاب و سنت، بلکہ صاحبِ کتاب و سنت پر بھی شدید ترین حملے کئے۔ عیسائی مشنری حکمران طبقے سے تعلق رکھنے کی بناء پر نقصان دہ ثابت ہوئے۔ مرزائیت نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر بھیڑیئے کی مثل نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ مگر ان دونوں کی نسبت ہندوؤں کی تحریک آریہ سماج زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی تھی کیونکہ بر صغیر میں آبادی کے اعتبار سے یہ لوگ زیادہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں تشدد کا عنصر بھی پایا جاتا تھا اور انہوں نے شدھی جیسی تحریکیں بھی مسلمانوں کے خلاف چلائیں۔ ان حالات میں دفاعِ اسلام کی خاطر جو شخصیات سامنے آئیں ان میں سے مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ سب سے نمایاں ہیں۔ بقول سید سلیمان ندوی "زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اُس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ ہی ہوتے"۔[1] مولانا مذکورہ بالا تینوں گروہوں کے سامنے علمی میدان میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور بالخصوص آریہ سماج جیسی متشدد تحریک کی طرف سے اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام پر کئے گئے رکیک حملوں کا مسکت اور مدلل جواب دیا۔

---

* لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجنیئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ نے ہندووں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ان کی طرف سے لکھی جانے والی اہم کتب کا جواب دیا۔ ان سے تحریری اور تقریری مناظرے اور مباحثے بھی کئے۔ مولانا مرحوم نے آریہ سماجی مسائل اور سوامی دیانند (آریہ سماج کا بانی) دونوں پر گرفت کی۔ آپ کی خدمات نہ صرف ہندووں کے سامنے دفاع اسلام طرز کی ہیں بلکہ آپ نے جواباً ہندو مذہب کی حقیقت بھی لوگوں کے سامنے واضح کی۔ آپ نے آریہ سماج کا رڈ اُن کی ویدوں اور دیگر اساسی کتب کے اقتباسات کے ذریعے کیا۔ اس ضمن میں آپ کی تحریری اور تقریری کاوشوں پر نظر ڈالنے سے جو فہرست وجود میں آتی ہے اُس پر غور و فکر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا کی جملہ تحریریں ردِ عمل کے ذیل میں آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریروں میں مناظرانہ رنگ نمایاں ہے۔ اگرچہ آپ نے بعض کتب، رسائل اور مضامین ہندومت کے ردّ میں سپرد قلم کئے لیکن اکثر دفاعِ اسلام کی غرض سے ہیں۔[2] بالفاظ دیگر یہ تحریریں کسی الزامی تحریر کا جواب تھیں۔ چونکہ ہندومت کا بھرپور جائزہ لینا آپ کے پیش نظر نہ تھا اس لئے آپ کی تحریروں کے مابین کوئی ایسی نہیں جس میں ہندومت کے مکمل تعارف کی غرض سے ان کے عقائد، عبادات، اور معاملات کا تفصیلی ذکر موجود ہو۔

آپ نے تحریر و تقریر دونوں میں شیریں، دلچسپ، جاذب اور موثر اسلوب اختیار کیا۔ آپ الفاظ کے انتخاب میں شائستگی اور شگفتگی بہر حال ملحوظ خاطر رکھتے۔ معاندینِ اسلام کی دل آزار کتب کے جواب حلاوت، تحمل اور خلق و تہذیب سے لکھتے۔ اگرچہ دشمن کی طرف سے بری اور سخت زبان استعمال ہوتی اور اخلاقی معیار سے گری ہوئی ہوتی لیکن آپ جواباً احسن طریقہ ہی اختیار فرماتے۔ بدنام زمانہ کتاب " رنگیلا رسول " جب منظر عام پر آئی تو پیغمبر اسلام کے متعلق برے الفاظ اور الزامات سے بھری ہوئی تھی۔ مولانا نے دفاعِ رسالت مآب میں " مقدس رسول " تحریر فرمائی اور اس میں مسلمانوں سے یوں خطاب فرمایا: "برادران اسلام! آپ لوگوں کو جو ایسی سخت کلامی سے رنج ہوتا ہے تو اس رنج میں اس خدائی حکم کو اپنا نصب العین بنا لیا کرو۔ اور سخت کلامی کرنے والوں کو خدائے ذوالانتقام کے حوالے کر دیا کرو"۔[3]

آپ اپنی تحریروں اور مناظروں میں اشعار کا اکثر استعمال کرتے۔ آپ مخالفین کو چپ کرانے کے لئے جہاں عقلی دلائل دیتے وہیں جابجا مگر بر محل ایسے اشعار بھی کہتے کہ مخالفین لاجواب ہو جاتے۔ آپ نے ایک مرتد شخص کی کتاب " ترک اسلام "کا جواب تحریر کیا تو شروع میں لکھا:

نالہ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر اب جگر تھام کے بیٹھو کہ میری باری ہے[4]

آپ فریق مخالف کی نالائقی، غلط استدلال اور جہالت پر چوٹ کرنے کے لئے بھی بسا اوقات اشعار کا سہارا لیتے۔ سوامی دیانند نے قرآن مجید کی عربی عبارت کا غلط ترجمہ کرتے ہوئے اعتراضات کئے تو آپ نے جواب دے کر کہا:

لطف پر لطف ہے املاء میں میرے یار کے یار حائے حطی سے گدھا لکھتا ہے ہوز سے ہمار[5]

مولانا مخالفین کا ردّ کرتے ہوئے الزامات عائد کرنے کے انداز سے اجتناب کرتے اور اُن کے مستند مصادر اور ذخیرہ علمی ہی سے اقتباسات پیش فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی کتاب " تقابل ثلاثہ " میں قرآن، تورات اور اناجیل کا تقابلی مطالعہ پیش فرمایا ہے۔ ابتداءً آپ کا ارادہ ویدوں کو شامل کرنے کا تھا۔ تمام ویدیں سنسکرت میں اصلاً لکھی گئی تھیں جب کہ

مولانا کو اس زبان پر دسترس حاصل نہ تھی۔ اگرچہ اردو میں ان کے تراجم تو موجود تھے مگر تمام ہندو فرقوں کے نزدیک یکساں معتبر نہ ہونے کے باعث تحقیقی معیار پر پورا نہ اترتے تھے لہٰذا انہوں نے ویدوں کو شامل تقابل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔[6]

مولانا نے آریہ سماجیوں کے اعتراضات کے جواب میں یا ہندو مت کے رد کے سلسلے میں جو تحریری یا تقریری کاوشیں کیں انہیں تصانیف و کتب، جرائد و مضامین اور مناظرے و مباحث جیسے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں ان کاوشوں اور خدمات کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

تصانیف و کتب

آریہ سماج کے بانی دیانند سرا سوتی نے اپنی تحریروں میں نہ صرف سکھ ازم، بدھ ازم اور جین ازم پر تنقید کی بلکہ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کو بھی ہدف تنقید بنایا۔[7] دیانند کی تحریروں نے پنجاب کے پُر امن ماحول پر بالخصوص اور دیگر علاقوں کے حالات پر بالعموم منفی اثرات مرتب کیے۔ نتیجتاً ہندو مسلم تعلقات شدید اختلافات کا شکار ہو گئے۔[8] دیانند نے "ستیارتھ پرکاش" کے نام سے جو کتاب تصنیف کی اُس میں اناجیل کے حوالے سے 130 اعتراضات کئے اور بعد ازاں چودھویں باب میں قرآن حکیم کے مختلف مقامات پر 159 اعتراضات کئے۔ جو باسٹھ سورتوں کے مختلف مقامات سے متعلق تھے۔ اس کتاب نے ہندو مسلم تعلقات کی خرابی میں جلتی پر تیل کا کام دیا۔[9] مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے اس کتاب کے جواب میں "حق پرکاش" تحریر فرمائی اور مذکورہ بالا تمام اعتراضات کا نمبروار جواب دیا۔ آپ نے "محقق" کی سرخی کے ساتھ اعتراضات کو لفظ بلفظ نقل فرمایا اور پھر "مدقق" کے عنوان سے جواب لکھا۔ آپ کے ان مدلل اور مسکت جوابات سے تمام شکوک کا ازالہ ہو گیا۔[10] دیانند کے اعتراضات کی بنیادی وجہ عربی سے عدم واقفیت تھی۔[11] لہٰذا مولانا نے مشورہ دیا کہ اعتراض سے قبل کسی عربی مدرسہ میں بیٹھ کر قرآن کو سمجھ لیا ہوتا۔[12]

آریہ سماج کی تحریک کا شکار چند مسلمان ہوئے تو اکیس سالہ عبدالغفور نامی بھی ان میں سے ایک تھا۔ اس نے دھرمپال کا نام اختیار کیا[13] اور ردِّ اسلام میں اپنی تصانیف کا آغاز کر دیا۔ اس نے اس سلسلے کا پہلا رسالہ "تَرکِ اسلام" شائع کیا۔ جس میں قرآن حکیم پر بالخصوص اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر بالعموم اعتراضات کئے گئے۔ ان اعتراضات کی تعداد ایک سو سولہ ہے۔ جب اس مرتد مصنف نے قرآن، اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کو جارحانہ انداز میں ہدف تنقید بنایا تو مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے دفاع کی خاطر قلم اٹھایا اور جواب میں "تُرکِ اسلام" تحریر کر کے شائع کی۔ آپ نے تمام اعتراضات کا جواب نمبر وار دیا۔ آپ کا انداز یہ تھا کہ پہلے "آریہ نمبر" کی سرخی دے کر دھرمپال کے اعتراض کی پوری پوری عبارت نقل کرتے اور پھر "مسلمان نمبر" کی سرخی کے تحت جواب درج کرتے۔ آپ نے تمام اعتراضات اور سوالات کے جواب دیئے۔ محض ان ہی باتوں کو نظر انداز کیا جو آپ کی نظر میں دھرمپال نے صرف بطور مخول اور مسخرہ کے لکھی تھیں۔[14] یا پھر آپ نے اُن باتوں کا جواب دینا بھی مناسب نہیں سمجھا جو دیباچے میں درج تھیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ان اعتراضات پر کوئی حوالہ نہیں موجود تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ اعتراضات کچھ مختلف النوع نہ تھے بلکہ بعد کے ایک سو سولہ اعترضات ہی سے متفرع تھے۔[15] آپ کا یہ انداز اور لہجہ دھرمپال کے لئے ہمدردانہ تھا جس کا اعتراف خود اُس نے اپنی

آپ بیتی میں کیا ہے۔[16] اس جوابی تحریر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ دیباچہ، مقدمہ جوابات اور اعتراضات کے جوابات۔ اس کتاب کا تفرد یہ ہے کہ مصنف نے مقدمہ جوابات میں اصول موضوعہ بیان کئے ہیں جو مصنف کے مناظرانہ اندازِ تحریر اور اہلیتِ مکالمہ کی جھلک ہیں۔

بابو دھرمپال نے اپنے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے "تہذیب الاسلام" کے نام سے چار جلدوں پر مشتمل ایک کتاب تحریر کی۔ اس کتاب کی چاروں جلدوں میں بالترتیب سولہ، سترہ، انیس اور سولہ اعتراضات تعلیماتِ اسلامیہ پر کیے گئے۔ ان اعتراضات کے ساتھ دھرمپال نے دیباچہ میں شکایت کی کہ علمائے اسلام نے مجھ سے سختی کا برتاؤ کیا ہے اور مجھے جھوٹا، جاہل، شریر، شیطان، خود غرض، مرتد، مردود اور ناپاک باطن وغیرہ لکھا ہے۔ تو مولانا نے دھرمپال کی توجہ "تہذیب الاسلام" کے اُن مقامات کی طرف دلائی جو اہل اسلام کے تمسخر کا منہ بولتا ثبوت تھے یا سخت کلامی کی بدترین مثالیں تھے اور جہاں بعض علماء اسلام کو سڑی ہوئی نالی کے کمزور کیڑے کہا گیا تھا۔ بعد ازاں ذیل کے شعر میں دھرمپال کو جواب دیا:

بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ　　　الٹے ہی شکوے کرتے ہو اور کس ادا کے ساتھ[17]

مولانا ثناء اللہ اس کتاب کی اشاعت پر بھی دفاعِ اسلام کا فریضہ نبھانے کے لئے آگے بڑھے اور مذکورہ بالا کتاب کا جواب "تغلیب الاسلام" کے نام سے لکھا اور اسے چار جلدوں میں تقسیم کیا اور ان میں "تہذیب الاسلام" کا جلدوار جواب سپرد قلم کیا۔ آپ کی یہ کتاب فروری 1905ء سے جنوری 1906ء تک چار مراحل میں طبع ہو کر سامنے آئی۔ آپ کی اس کتاب نے دھرمپال کے دل میں نرمی اور محبت کی بنیاد ڈال دی[18] جو بعد میں اس کی اسلام کی طرف واپسی کی صورت میں نکھر کر سامنے آئی۔[19]

بعد ازاں دھرمپال اپنی کتاب "اساطیر الاولین" کے نام سے جب اسلام پر حملہ آور ہوا تو مولانا نے "رجم الشیاطین" لکھ کر دفاع اسلام کا فریضہ سر انجام دیا۔ دھرمپال کے تصنیفی حملوں میں سے آخری حملہ "نخل اسلام" تھا۔ اس کا انداز اور لب ولہجہ مصنف کی دیگر کتب کی نسبت زیادہ تلخ تھا اور یہ کتاب نہایت زہریلی تھی۔[20] اس کتاب میں کل گیارہ فصول تھیں۔ پہلی چار فصلوں میں ہندوستان کے شاہان اسلام کی برائیاں تھیں اور بعد کی تمام فصلوں میں پیغمبر اسلام □ کی عیب جوئی کی گئی تھی۔ اس کی عیب جوئی کا انداز اس کے عنواناتِ فصول سے واضح تھا اور اس کی بدزبانی اور دل آزاری کا جذبہ نمایاں تھا۔ مولانا نے اس کا جواب اپنی تصنیف "ترک اسلام" سے دیا۔ جواب تحریر کرتے ہوئے آپ کا پیمانہ صبر کہیں لبریز نہیں ہوا۔ آپ نے الزامات کا جواب محض دلیل سے دیا۔ یہی مولانا کا خاصہ تھا بلکہ آپ نے مقدمے میں قرآن مجید کی آیت مبارکہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا "کہ اصل بات یہ ہے کہ مسلمان اور مسلمانوں کا مذہب ہمیشہ سے ایسی بدزبانی سننے کے عادی ہیں۔[21] آپ نے "نخل اسلام" کی پہلی چار فصول کو قابل جواب نہیں سمجھا لہٰذا بعد کی فصلوں کا جواب دیا۔ آپ نے ہر فصل کا جواب دیتے ہوئے پہلے اس کے اعتراضات کا خلاصہ درج کیا اور پھر اس کا جواب دیا۔ جواب دیتے ہوئے بعض مواقع پر وید کے اقتباسات اور آریہ کے مستند حوالوں کو درج کیا تاکہ واضح ہو سکے کہ پیغمبرِ اسلام پر اعتراض بے جا ہے۔ علاوہ ازیں دھرمپال نے اعتراضات کی بنیاد جن ضعیف اور موضوع روایات پر رکھی تھی اُن کے ازالہ کے لئے ایسی روایات کی صحت پر بحث کی ہے اور ان کے مقابلے پر صحیح احادیث سے استدلال کرتے ہوئے رفع شبہات کا اہتمام کیا۔ نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ ہمیں اس

کتاب میں عقلی دلائل کی کثرت بھی نظر آتی ہے۔

آریہ سماج میں ویدوں کو بنیادی اہمیت حاصل تھی اور دیانند سرسوتی نے ان ہی کو ماخذ مانا تھا۔[22] لہٰذا انہیں الہامی ثابت کرنے کی کوششوں میں سے ایک آریہ پنڈت دھرم بھکشو کی کتاب "کتاب اللہ: وید ہے یا قرآن" قابل ذکر ہے جس میں مصنف نے مسلمانوں کو ویدوں میں غور و فکر کی دعوت دی تاکہ وہ ہدایت حاصل کر سکیں۔ اس کے جواب میں مولانا نے "کتاب الرحمن" لکھی۔ آپ نے ویدوں کے مختلف نسخے اور تراجم کی مدد سے واضح کیا کہ وید یں اختلافات، تحریفات، اغلاط اور کمی و بیشی سے لبریز ہیں۔ لہٰذا ان پر کلام الٰہی کا اطلاق نہیں ہو سکتا نیز ان سے دلیل لینا معتبر نہیں۔[23] اس کتاب کے لئے سید سلیمان ندوی نے تعریفی کلمات کہے اور اسے مناظرانہ رنگ میں دلآویز قرار دیا۔[24]

مئی 1924ء میں ایک گمنام آریہ نے بدنام زمانہ کتاب "رنگیلا رسول" لکھی جس میں نبی آخر الزماں ﷺ کی ذات اقدس پر رقیق حملے کئے گئے۔ تمام اعتراضات کا محور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی، تعدّد ازدواج، اور اپنی نسبت کم عمر خواتین سے نکاح رہا۔ آریہ سماج کے نزدیک جو کام قانون قدرت کے اصول کے مطابق ہو وہ قابل اعتراض نہیں ہوتا۔ لہٰذا مولانا نے منطقی دلائل سے ثابت کیا کہ آنحضرت ﷺ کی خانگی زندگی بالکل قانونِ قدرت کے مطابق تھی۔ گمنام مصنف نے مختلف ازواج النبی سے متعلق جو اعتراضات کیے، مولانا نے الگ الگ بالتفصیل اُن سب کا نقلی اور عقلی دلائل سے رد فرمایا۔ مصنف نے اسلامی کتب سے جو ادھورے اقتباسات لئے تھے اُن کی نشاندہی فرمائی اور جن حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا اُن کی درستگی فرمائی۔ مصنف نے نبی ﷺ کی زندگی کے آخری بارہ سالوں میں آپ ﷺ کے متعدد نکاحوں پر جو رکیک حملہ کیا تھا، مولانا نے عقلی دلائل کے ساتھ ساتھ منوسمرتی کے کئی ایک اقتباسات سے اس کا ثبوت پیش کیا کہ تعداد ازدواج صرف اسلام میں ہی جائز نہیں بلکہ دیگر مذاہب میں بھی اس کی اجازت واضح طور پر موجود ہے۔ مذکورہ بالا بدنام زمانہ کتاب کے ردّ میں عالم اسلام کی طرف سے نہ صرف یہ اکلوتا بلکہ شافی جواب تھا کہ آریوں کی طرف سے اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔[25] مختلف مکاتب فکر کے معاصر علماء کرام نے اسے تسلی بخش اور گرانقدر قرار دیا۔[26] نیز کئی اخبارات نے اس کاوش کو سراہتے ہوئے اسے تحمل، متانت اور شائستگی کی حامل قرار دیا۔[27]

احقاقِ نبوتِ محمدی کے سلسلے میں آپ کی گرانقدر خدمات ہیں۔ اُن میں سے ایک کڑی "محمد رشی" ہے۔ آپ کی یہ تصنیفی کاوش دفاعی طرز کی نہیں یعنی یہ رسالہ کسی دوسری تصنیف کا جواب نہیں۔ اس میں نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت کی حقانیت کے دلائل کو وید، توریت اور انجیل سے جمع کیا گیا ہے۔ اس رسالے کے تقریباً دو تہائی حصے میں حضرت محمد ﷺ کو سام وید کی پیش گوئیوں کا مصداق ثابت کیا گیا ہے۔ سام وید کے ایک مقام پر نبی کریم ﷺ سے متعلق مندرجہ ذیل دس صفات درج ہیں۔ ہر مقدس رسم کا مربی، رعد والا، نہایت تعریف کیا گیا، اِندر یعنی صاحبِ اقبال، قلعوں کو توڑنے والا، جوان، عقیل، بے انداز قوت کا پیدا کیا گیا، پتھر رکھنے والا اور گڑھے کا کھودنا۔ مولانا ثناء اللہ نے ان تمام صفات کے لئے الگ الگ عنوانات قائم کئے اور پھر ہر صفت کا مصداق حضرت محمد ﷺ کو ثابت کیا۔ یہ رسالہ راقمین کی نظر سے گزرا تو معلوم ہوا کہ اس کے دیباچہ میں مولانا امرتسریؒ نے تصریح فرمادی ہے کہ یہ مولانا ابراہیم سیالکوٹی کے رسالہ "بشارات محمدیہ" کا اختصار ہے۔[28] آپ کی

دیگر تصانیف کا مقدمہ "پہلے مجھے دیکھیے" کے عنوان سے ہے لیکن رسالہ "محمد رشی" کے مقدمہ کا عنوان "دیباچہ" درج کیا گیا ہے۔

مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ نے سب سے زیادہ رسائل و مضامین قادیانیت کے رد میں لکھے ہیں اور اس کے بعد ہندومت کے رد میں آپ کے رسائل ہیں۔ الہام کی تعریف میں آریوں اور مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ نے وید اور قرآن مجید سے الہام کی تفسیر بیان کی ہے اور ساتھ ہی دونوں کا فرق بھی واضح کیا ہے۔ اس غرض سے آپ نے رسالہ "الہام" تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ پہلی مرتبہ 1904ء میں سولہ صفحات پر مشتمل شائع ہوا۔[29] مولانا نے رسالہ کی غرض و غایت کو بتاتے ہوئے کہا کہ " آریہ سماج کو معلوم ہو سکے کہ مسلمان الہام کی تعریف اور تقسیم وغیرہ میں کہاں تک قدرت رکھتے ہیں"۔[30]

روایتی مذہب ہندو دھرم میں شوہر کی وفات کے ساتھ بیوی کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ آریہ سماج نے اصلاحات کرتے ہوئے غیر مدخولہ لڑکی کے نکاح کو ویدوں کی تعلیم قرار دیا۔ گویا آریہ ایسی لڑکیوں کے نکاح ثانی کے علمبردار تھے۔[31] لیکن مدخولہ بیوگان کے نکاح ثانی کو بدستور غلط قرار دیتے۔[32] مولانا نے اس سلسلے میں "شادی بیوگان اور نیوگ" کے عنوان سے ایک رسالہ تحریر کیا جس میں مذکورہ مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ثابت کیا کہ جس طرح غیر مدخولہ کا نکاح ضروری ہے اسی طرح مدخولہ بیوہ کا نکاح ثانی بھی اس کی فطری ضرورت ہے۔ یہ آریہ سماج کی ناسمجھی ہے کہ نصف حصہ کو مانتے ہیں اور بقیہ نصف سے انکار کرتے ہیں۔[33] ہندوؤں کے نزدیک جب کوئی مرد اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہتا یا پھر بے اولاد مر جاتا تو اس کی بیوی کو یا بیوہ کو حصول اولاد کی خاطر کسی قریبی رشتہ دار سے ملاپ کر کے اولاد حاصل کرنے کی اجازت ہوتی۔ اس رسم یا اجازت کو نیوگ کہا جاتا ہے۔[34] سوامی دیانند کے نزدیک نیوگ کرنا گناہ نہیں بلکہ اُس کا نہ کرنا گناہ ہے۔[35] مولانا نے اس رسالے میں نیوگ جیسی شرمناک اور حیاء سوز رسم کی تردید آسمانی کتب اور ویدوں کے اقتباسات سے کی۔ اس موضوع سے مناسبت کا حامل آپ کا ایک اور رسالہ "نکاح آریہ" ہے۔ اس میں ثابت کیا ہے کہ آرین تعلیمات نہ صرف عقل بلکہ فطرت سے بھی متصادم ہیں۔ آریہ نکاحِ بیوگان پر زور تو دیتے ہیں مگر مدخولہ بیوہ کے نکاح ثانی کو جائز تصور نہیں کرتے۔ اس مسئلہ پر مولانا نے تفصیلی بحث کی ہے۔ شروع رسالہ میں شریعت اسلامیہ کی روشنی میں نکاح کیوں ہوتا ہے کے عنوان سے بحث کی ہے اور آخر رسالہ میں آرین تصورات کی نفی کی ہے۔ اس رسالے کا قاری جہاں نکاحِ آریہ کی قباحتوں سے واقف ہوتا ہے وہیں اسلامی نکاح کے فوائد بھی جانتا ہے۔

سوامی دیانند جی آریہ کے نزدیک بہت علم رکھنے والے بلکہ تمام دنیا کے پنڈت اور تمام آریہ ورت کے سنسکرت دان، سب کے سب ان کے علم کے سامنے ہیچ ہیں۔ مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ نے دیانند جی کے علم و عقل کو پرکھتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ دوسرے مذاہب پر اعتراض کرنے میں تحقیق اور علم و معرفت سے کام نہیں لیتے تھے۔ آپ نے اس حوالے سے سولہ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ "سوامی دیانند کا علم و عقل" شائع کیا اور مقصدِ تصنیف کے حوالے سے لکھا:

رسالہ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ دیانند جی جیسے بڑے وِدوان اور عاقل کی لیاقت اور فہم و فراست کا

نمونہ ملک کو دکھادیا جائے جس سے صرف یہی فائدہ نہ ہوگا کہ ملک کو آریوں کے گرو کا حال معلوم ہو جائے گا بلکہ ان کے تمام مصنفین کی فہم و فراست کا اندازہ ہو سکے گا کیونکہ جب مہرشی دیانند جی ایسی سمجھ اور عقل کے مالک ہوئے تو چھوٹے موٹے مصنفوں کا کیا شمار۔[36]

سوامی دیانند کی وفات کے بعد ان کی کتاب "ستیارتھ پرکاش" میں آریوں نے حسبِ منشاو حسبِ ضرورت تبدیلیاں کر لیں تو مولانا نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے صرف ایک باب یعنی باب نمبر دس کی جھلک اپنے رسالے "تحریفِ آریہ" میں دکھائی۔ مثلاً آریوں نے مسئلہ گوشت خوری بطورِ خاص لحمُ البقر کو اردو ترجمہ سے غائب کر دیا تھا۔ رسالہ مذکورہ میں ستیارتھ پرکاش مطبوعہ 1875ء کی اصل ناگری زبان کی عبارت نقل کی گئی ہے۔ دوسرے کالم میں وہ عبارت نقل کی گئی جسے دھرمپال نے بحالت آریہ اردو کے قالب میں شائع کیا تھا۔ تیسرے کالم میں پرکاش کے متعلقہ حصہ کا ایسا ترجمہ نقل کیا گیا جو مولانا نے ایک پنڈت سے کرایا اور اتمامِ حجت کے مزید اقدام کے طور پر چوتھے کالم میں آریوں کا مستند اردو ترجمہ درج کر دیا۔[37]

ہندو مسلمانوں پر مسئلہ جہاد کے بارے میں سخت معترض تھے اور اس کا مذاق اُڑاتے تھے۔ حالانکہ خود ہندو مذہب کا خمیر ہی جنگ سے اٹھا تھا۔[38] مولانا نے دفاعِ اسلام کی غرض سے کتابچہ "جہادِ وید" تصنیف کیا اور اس میں جہاد کی تائید میں وید سے ثبوت فراہم کرنے کا اہتمام فرمایا اور آریہ سماج کی کی معتبر کتب سے ثابت کیا کہ دنیا میں امن و شانتی کے قیام کے لئے جہاد ناگزیر ہے اور اس دھرم کے پیروکار اسے چھپاتے ہیں۔ آپ جہاد کو اسلام کی حقانیت کی دلیل سمجھتے تھے۔[39] آپ نے اس معاملے میں مدافعانہ کی بجائے جارحانہ رویہ اختیار کیا۔ مولانا نے تفسیر ثنائی میں مسئلہ جہاد پر قدرے مختصر لکھنے کے بعد تفصیل کی خاطر اسی رسالے کو ملاحظہ کرنے کی دعوت دی ہے۔[40]

تمام مذاہب عالم میں عبادت کا تصور لازمی طور پر موجود ہے۔ جسے قربِ پروردگار کا اہم ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہی حال عیسائیت، یہودیت، ہندومت اور اسلام کا ہے کہ ان میں نمازوں کا واضح تصور موجود ہے اگرچہ اپنی تاثیر کے اعتبار سے بالکل جدا ہیں۔ مولانا نے اس فرق کو واضح کرنے کی غرض سے "نماز اربعہ" کے نام سے چالیس صفحات پر مشتمل ایک رسالہ تصنیف کیا۔ اس میں غیر مذاہب کی نمازوں میں شرک اور اسلامی نماز میں اصل نقشہ توحید دکھایا تاکہ حق کے متلاشیوں کو صحیح راہنمائی میسر آئے۔

دسمبر 1907ء میں آریہ سماج کا لاہور میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ کو ایک مقالہ پڑھنے کی دعوت دی گئی۔ آپ نے اس غرض سے "القرآن العظیم" کے نام سے ایک مقالہ تیار کیا۔ مگر آریہ لیڈروں کی بدعہدی کی بدولت اجلاس میں شرکت کے موقع سے محروم رہے لہٰذا آپ نے اس مقالہ کو کتابی شکل میں شائع کر دیا۔ اس میں آپ نے بدلائل ثابت کیا کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے جب کہ وید وغیرہ غیر الہامی ہیں۔ یہ رسالہ پہلی مرتبہ 1907ء میں مطبع اہلحدیث امرتسر سے شائع ہوا۔[41] اسی موضوع پر آپ کا دوسرا رسالہ "قرآن اور دیگر کتب" ہے۔ آپ نے اس میں قرآن، وید اور اناجیل کا چند مسائل میں مقابلہ اور موازنہ کرتے ہوئے یہ دکھایا کہ قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو انسان کی جملہ ضروریات کو پورا کر سکتی ہے۔ یہ رسالہ پہلے پہل سولہ صفحات پر مشتمل 1903ء میں مطبع راجپوت پرنٹنگ ورکس لاہور سے شائع ہوا۔

اسلام اور ہندو مذہب میں کئی مسائل کے مابین بعد المشرقین پایا جاتا ہے۔ مگر مسئلہ تناسخ کو دونوں مذاہب میں حدِّ فاصل قرار دیا جائے تو بے جا نہیں ہو گا۔[42] ہندوؤں کے اِس عقیدے کی حقیقت کو واضح کرنے کی غرض سے مولانا نے "ثمراتِ تناسخ" کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا۔ اس رسالے میں آپ نے عنوانِ رسالہ کی مناسبت سے تناسخ کے قبیح نتائج و عواقب کی نشاندہی کی اور ویدک دھرم کے ناز کو خاک میں ملا دیا۔

مولانا کے دور میں ڈائری یا پاکٹ بک کا دستور تھا کہ جملہ مذاہب مروجہ کے بارے میں کچھ تفصیلاً یا مختصراً لکھ کر اسے پاکٹ بک یا ڈائری سے موسوم کیا جاتا۔[43] مولانا نے اس طرز پر ایک پاکٹ بک تیار کی جس کا نام "ثنائی پاکٹ بک" رکھا۔ اس میں رَدِّ ہندو مت، ردِ عیسائیت اور ردِ مرزائیت کا اہتمام کیا گیا۔ ان تمام پہلوؤں کا اہتمام خاص اس مقصد کے لئے تھا کہ لوگ ہر مروجہ مذہب کے مقابلہ پر اس سے کام لے سکیں۔ اس مقصد کی نشاندہی خود مولانا نے مقدمہ کے اندر کی ہے۔ آپ نے اپنے اس مختصر کتابچے کے تقریباً بیس صفحات ہندو دھرم اور اس کے مختلف فرق کے بنیادی عقائد کے ابطال کے لئے مخصوص کیے۔ اس میں ہندوؤں کے چار اساسی تصورات کہ روح قدیم ہے، مادہ قدیم ہے، دنیا کا سلسلہ قدیم ہے اور تناسخ صحیح ہے کا رد کیا گیا ہے۔ مولانا کی تحریروں کے مابین اس سلسلے کی ایک دوسری کڑی ہمیں "اصول آریہ" کے نام سے نظر آتی ہے جس میں مادہ، روح اور سلسلۂ کائنات کے حدوث کا ابطال بذریعہ دلائل عقلیہ کیا گیا ہے۔

آریہ کے نزدیک الہامی کتاب کے لئے لازم ہے کہ وہ قدیم ہو۔ چونکہ قرآن قدیم نہیں لہٰذا اُن کی نظر میں الہامی کتاب نہیں۔[44] جب کہ وید آریوں کی نظر میں قدیم ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ جس طرح دنیا قدیم ہے اسی طرح ویدیں بھی قدیم ہیں اور یہی دنیا کی معرفت کے لئے اصل ہے۔[45] مولانا امر تسریؒ نے اس نظریئے کے ردّ کی خاطر "حدوثِ وید" تحریر کی۔ آپ نے اس مقالے میں خود ویدوں سے قدامتِ وید کا ابطال کیا ہے۔ رگ، یجر، اور اتھر وید کی مختلف نصوص سے یہ ثابت کیا ہے کہ ویدیں حادث ہیں قدیم نہیں اور بعد ازاں "کیا الہامی کتاب کا دنیا کے شروع سے ہونا ضروری ہے؟" کا عنوان باندھ کر عقلی دلائل سے اس شرط کو غیر معقول قرار دیا۔ کیونکہ الہامی کتب کا مقصدِ نزول لوگوں کو بُرے اعمال کے بُرے نتائج اور اچھے اعمال کے اچھے انجام سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔[46] لہٰذا الہامی کتاب کا قدیم ہونا ضروری نہیں۔

مذکورہ بالا تحریروں کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف میں مرقع دیانندی، نکاح آریہ، اصول آریہ، ہندوستان کے دو ریفارمر، تعلیم الاسلام اور مجموعہ رسائل بوید و قرآن وغیرہ شامل ہیں۔ اس مقام پر آپ کے ایسے مناظروں اور مباحثوں کا تذکرہ بے جا نہ ہو گا جو زیور طبع سے آراستہ ہو کر کتابی صورت میں آچکے ہیں۔ ان میں حدوث دنیا، الرکوب فی السفینۃ فی مباحثۃ النگینہ، مباحثہ دیوریا، بحث تناسخ، مباحثہ جبل پور، فتح اسلام یعنی مناظرہ خورجہ اور الہامی کتاب نہایت شاندار ہیں۔ تالیفات کی اس طویل فہرست سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ آپ اپنی زندگی میں دفاعِ اسلام کے اہم فریضہ میں کس قدر متحرک اور سرگرم رہے۔

جرائد و مضامین

ردِّ ہندو دھرم کے ضمن میں آپ کی تحریری کوششوں کا دوسرا پہلو اخبارات کا اجراء اور مضامین قلمبند کرنا ہے۔

مولانا نے اپنے دور کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے نومبر 1903ء میں "اہلحدیث" کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کیا۔ شروع میں اس کے صفحات کی تعداد آٹھ ہوتی مگر بعد میں یہ تعداد مرحلہ وار بڑھتے ہوئے چوبیس صفحات تک پہنچ گئی۔ مولانا ثناء اللہ خود ہی اس اخبار کے ایڈیٹر اور مالک تھے اور خود ہی اس کا اداریہ لکھا کرتے تھے۔[47] اس اخبار میں دیگر معاصر مذاہب اور باطل فرق کے رد کا باقاعدگی سے اہتمام کیا جاتا تھا۔ اداریئے کے علاوہ اخبار میں آریہ مشن کے محاسبہ کی غرض سے اور ان کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی خاطر باقاعدگی کے ساتھ علمی اور تحقیقی مضامین چھپتے تھے۔ اگرچہ ان میں سے اکثر کو مولانا سپرد قلم کرتے تاہم کبھی دیگر علماء کرام کے مضامین بھی اس اخبار کی زینت بنتے۔ اداریہ اور مضامین کے علاوہ یہاں مناظروں کی کاروائی بھی چھاپ دی جاتی تھی۔ اگر یہ کاروائی طویل ہوتی تو اسے بالاقساط شائع کیا جاتا۔[48] اس ہفت روزہ میں "تردید آریہ مشن" کے عنوان سے چند صفحات مخصوص تھے۔ پورے ملک کے طول و عرض میں اگر آریہ سماج اپنے اخبارات مثلاً آریہ گزٹ، آریہ مسافر، ہتھکاری یا پرتاب وغیرہ کے ذریعے اسلام اور اہلِ اسلام پر حملہ آور ہوتے یا کتب و رسائل اور جلسوں میں تقریروں کے ذریعے غلط فہمیاں پھیلاتے اور اعتراضات کرتے تو مولانا ان صفحات پر اسلام کا دفاع کرتے اور ویدک دھرم یا ہندو دھرم کا رد کرتے۔

چوالیس سال تک جاری رہنے والے اس اخبار میں نہ صرف مرزائیت اور قادیانیت کا تعاقب کیا جاتا بلکہ عیسائی، آریہ سماجی، شدہی اور سنگھٹن کے حملوں کا بھی مقابلہ کیا جاتا اور دفاعِ اسلام کا فریضہ ادا کیا جاتا۔[49] آپ کی صحافتی طرز کی خدمات میں اخبار مخزن ثنائی اور گلدستہ ثنائی بھی قابل ذکر ہیں۔ جب حکومتی پابندی کے باعث "اہلحدیث" کی اشاعت روکنا پڑی تو کمی کو پورا کرنے کے لئے جنوری میں "مخزن" جب کہ فروری اور مارچ 1914ء کے لئے "گلدستہ" دو شمارے جاری کر دیئے۔ ان میں بھی عیسائی اور قادیانی مشن کے ساتھ ساتھ آریہ مشن کے خلاف عالمانہ اور محققانہ مضامین چھپے۔[50] کتب اور رسائل کی طرح یہاں اخبار کے اداریئے اور مضامین میں بھی مولانا کا انداز بہت خوبصورت ہوتا۔ الفاظ کا چناؤ بہت مناسب ہوتا۔ آپ کی اخباری تحریروں پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا فضل الرحمن بن محمد لکھتے ہیں:

> عبارت خوبصورت اور مدلل ہونے کے ساتھ پسندیدہ طنز و مزاح کی چاشنی بھی رکھتی تھی۔ ان کی بیشتر تحریریں ایسی ہوتیں کہ قاری اگر پڑھنا شروع کرے تو اکتاہٹ محسوس نہ کرتا کیونکہ مولانا کے الفاظ اکثر سادہ، جاذب، موثر، دل کش اور فرحت بخش ہونے کے ساتھ پُر معنی، بلیغ فصیح اور جامع ہوتے۔ جس طرح تقریروں میں لوگوں کو لطف اندوز ہونے کا موقع دیتے اسی طرح تحریروں میں مضامین کو پھیکے پن اور مغلق ہونے سے محفوظ رکھتے۔ حلیمی اور بردباری تو ایسی تھی کہ فحش، لغو، بے ہودہ اور سخت دل آزار مضامین کا جواب حلاوت، نرمی اور ایسے پیارے انداز سے دیتے کہ معترض خود ہی شرمندہ ہو جاتا۔[51]

ہفت روزہ "اہلحدیث" کے مختلف پرچوں کی ورق گردانی کرنے سے مذکورہ بالا حقائق کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ جہاں مولانا کی تحریر صحافتی اخلاقیات اور مثبت خوبیوں کی حامل ہوتی وہیں جملہ خامیوں سے بھی پاک ہوتی۔ ہندو اور آریہ اخبارات کا معمول تھا کہ شعائر اسلامی پر نہ صرف معترض رہتے بلکہ حقارت آمیز الفاظ میں ذکر کرتے مثلاً مستورات کے

حجاب کا ذکر کرتے ہوئے "پردہ کی لعنت" کے الفاظ لکھتے۔ مولانا نے پردہ کے معاشرتی فوائد اور بے پردگی کے نقصانات واضح کرنے کے لئے "پردہ دری کی قدرتی سزا" کے عنوان سے ایک مضمون قلمبند کیا۔[52] اس میں آپ نے آریہ سماجی اور ہندو لڑکیوں کے اغوا اور آشنا کے ساتھ بھاگ جانے کے واقعات کا ذکر کیا۔ آپ نے اعلیٰ صحافتی اقدار کا لحاظ کرتے ہوئے یہ تمام واقعات آریہ اخبار "پرتاب" لاہور سے نقل کئے اور اس حساس موضوع پر لکھتے ہوئے ہندوؤں اور آریہ سماجیوں کو انتہائی سنجیدگی سے پردہ کی ضرورت کا احساس دلایا اور کہیں بھی مذکورہ بالا لڑکیوں کے کردار سے متعلق مخالفین پر طعن و تشنیع نہیں کی۔ ہفت روزہ اہلحدیث کی کامیاب اشاعت کے بعد آپ نے مزید ایک جریدے کی ضرورت محسوس کی تو "مسلمان" کے نام سے ماہانہ وار اجراء کیا۔ اس کا پہلا شمارہ مئی 1908ء میں چھبیس صفحات پر مشتمل جاری ہوا۔ مولانا کو "اہلحدیث" کی موجودگی میں اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس کا ذکر خود انہوں نے پہلے شمارے میں یوں کیا : "اخبار اہلحدیث میں بھی اگرچہ مخالفین اسلام کے حملات کی مدافعت ہوتی ہے۔ مگر چونکہ اس میں اور قسم کے مضامین بھی ہوتے ہیں اس لئے اس میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ کماحقہ مدافعت کر سکے۔ اس لئے میرا خیال ہوا کہ ایک رسالہ خاص اسی موضوع پر جاری کیا جائے"۔[53]

نہ صرف پہلے شمارے میں مقصد کی صراحت کی گئی بلکہ ہر شمارے کے صفحہ اول پر "مقصد اعلیٰ۔ اس رسالہ کا اسلام کی خوبیاں دکھانا اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کے محققانہ جوابات دینا" درج کر دیا جاتا تھا۔ ماہوار "مسلمان" نومبر 1909ء تک جاری رہا اور اس کا ایک خاص نمبر موسومہ تبر اسلام بجواب نخل اسلام بھی شائع ہوا جو کہ ایک صد چار صفحات پر مشتمل تھا۔ (اس خاص نمبر میں دھرمپال کی دو کتب نخل اسلام اور اساطیر الاولین کا جواب دیا گیا۔ جن کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے)۔ تمام ماہوار شمارے بصورت فوٹو کاپی راقمین کے پاس محفوظ ہیں۔ بعد میں یہ ہفت روزہ صورت اختیار کر گیا اور جون 1910ء سے جنوری 1911ء تک جاری رہا۔ اس دوران مولانا کے جو مضامین اس میں چھپے ان کی فہرست امام خان نوشہروی نے تیار کی تو تعداد ایک سو دو ہوئی۔[54] جس سے مولانا کی قلم کی روانی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مناظرات و مباحثات

مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ کا دور مناظروں اور مباحثوں کا دور تھا۔ انگریز حکمرانوں کی پس پردہ حوصلہ افزائی اور سیاسی پالیسیوں نے ملک میں مذہبی جنگ اور مناظرات کی فضا پیدا کر دی تھی۔ مسلمان، قادیانی، عیسائی اور آریہ سماجی باہم ایک دوسرے کے خلاف بر سرِ پیکار تھے۔ یہی وہ حالات تھے جنہوں نے آپ کی خداداد مناظرانہ صلاحیتوں کی آبیاری کی۔ آپ قرآن، حدیث، تفسیر قرآن، تفسیر حدیث، فقہ، تقابلِ ادیان، اور فلسفہ کے علوم میں مہارت رکھنے کے ساتھ فنِّ مناظرہ پر بھی عبور رکھتے تھے۔ آپ مخالفین کی کتب کا وسیع علم رکھتے تھے، مستند حوالہ جات پیش فرماتے، بر محل اشعار پڑھتے، دورانِ مناظرہ کسی تناؤ کا شکار نہ ہوتے۔ ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ قوتِ استدلال، حاضر جوابی اور برجستہ کلامی آپ کا طرہ امتیاز تھے۔ ان ہی امتیازی خصائص نے آپ کو "امام المناظرین" کے لقب سے سرفراز کیا۔[55] آپ کی مناظرانہ صلاحیتوں اور کاوشوں کا اعتراف سید سلیمان ندویؒ نے ان الفاظ میں فرمایا: "مسلمانوں اور قادیانیوں اور آریوں اور عیسائیوں میں مناظرے ہوا کرتے تھے تو مرحوم مسلمانوں کی طرف سے عموماً نمائندہ ہوتے تھے اور اس سلسلہ سے وہ ہمالیہ سے لے کر خلیج بنگال تک

دواں اور رواں رہتے تھے"۔[56]

مولانا مناظرِ اسلام تسلیم کئے جاتے تھے۔ مگر آپ روایتی اسلوب سے مختلف مناظر تھے۔ عام طور پر مناظر اپنے غیر علمی پس منظر کی بنیاد پر عالمانہ کی بجائے عامیانہ انداز اختیار کرتے اور سوقیانہ سطح پر اتر آتے ہیں۔ مگر مولانا کے بلند پایہ علمی دلائل اور مہذب الفاظ آپ کے مناظروں کی زینت ہوتے تھے۔[57] حاضرینِ مناظرہ سے دادِ شجاعت پانے کی خاطر جوشیلی اور بڑھکیلی تقاریر اکثر اوقات امنِ عامہ کو نقصان پہنچانے کا باعث ہوتی ہیں۔ لیکن مولانا کے ہاں امن عامہ کا قائم رکھنا اولین ترجیح تھی۔ آپ محض تلاشِ حق کی خاطر علمی مباحث اور مجالس کے حامی تھے۔ جس دور میں مختلف مذاہب کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آگ برسائی جارہی تھی اور مخالفین کے مذہبی رہنما آگ اگل رہے تھے ایسے میں بھی آپ نے ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملکی مفاد کو ہمیشہ مدّ نظر رکھا۔ ایک مناظرے کے موقع پر جب فریق مخالف نے ابتدائی تقریر کرلی تو مولانا نے اپنی جوابی تقریر کا آغاز یوں کیا:

> قبل از مضمون ایک بات عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ہم ایک ملک کے رہنے والے ہیں۔ ایک ہی نسل سے ہیں۔ ملک کے ہر نفع و نقصان میں باہم شریک ہیں اس لئے ہماری یہ گفتگو ایسے پیرایہ میں ہونی چاہیے جس سے ملکی مفاد کو کوئی نقصان نہ ہو اور ہندو مسلم سوال پیدا نہ ہو بلکہ برادرانہ طور پر تبادلہ خیالات ہو۔[58]

مولانا امر تسریؒ کا خاص انداز اور نمایاں خصوصیات آپ کو دیگر مناظرین سے ممتاز کرتی ہیں۔ آپ کی تصانیف کی طرح آپ کے مناظرے بھی کثیر تعداد میں ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں آریوں، عیسائیوں، قادیانیوں، حنفیوں، شیعوں اور منکرینِ حدیث سے تحریری و تقریری مناظرے کئے۔[59] آپ متعدد بار آریوں کے خلاف مناظرہ کے میدان میں صف آراء ہوئے اور اُن کے مشہور پنڈتوں اور نامی گرامی مذہبی راہنماؤں کو مات دی۔ ان میں سے چند کا ذکر بطور نمونہ کیا جارہا ہے۔ نگینہ ضلع بجنور میں آریہ سماج کا بہت زور تھا اور ان کی طرف سے بار بار چیلنج کے جواب میں مسلمان بھی مناظرہ پر آمادہ ہو گئے۔ جون 1904ء میں مقامی مسلمانوں نے ملک کے بڑے بڑے علماء کو مدعو کرلیا۔ ان علماء نے متفقہ فیصلہ کے ذریعے مولانا ثناء اللہ کو مسلمانوں کی طرف سے پیش کیا۔ حالانکہ مولانا کے استادِ محترم اسیر مالٹا مولانا محمود الحسن بھی موجود تھے۔ لیکن دفاعِ اسلام کی خاطر ثناء اللہ امر تسریؒ ہی کا انتخاب ہوا۔ جب کہ دوسری طرف آریہ سماج نے ماسٹر آتمارام کو بطور مناظر میدان میں اتارا جب کہ پنڈت کرپارام اور لالہ وزیر چند مدد و معاون رہے۔[60] مناظرہ کا اسلوب تحریری تھا اور موضوع "الہامی کتاب" تھا۔ فریقین اپنے اپنے پرچے لکھتے اور عوام کو پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ پانچ دن کے بعد جب ماسٹر آتمارام کے چھکے چھوٹ گئے اور اس موضوع پر آگے نہ چل سکے تو پھر موضوع بدلنے کی کوشش شروع کر دی اور یہ شرط بھی لگا دی کہ ان دو دنوں (13،14 جون 1904ء) کی کاروائی کو اخبارت میں شائع نہ کیا جائے۔ پہلے دنوں 5 جون تا 12 جون کی کاروائی چونکہ اخبارت میں چھپ چکی تھی جس سے آریہ سماج کی کافی کرکری ہو چکی تھی اس لیے وہ نہیں چاہتے تھے کہ اب ملک میں ہماری مزید بدنامی ہو۔ اس مناظرہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو وہ فتح و کامرانی نصیب فرمائی کہ اس فتح کے اثر سے کئی ہندو بھی مسلمان ہو گئے۔ گیارہ ہندو میدانِ مناظرہ ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور محمد عمر کرتپوری جو مرتد ہو کر آریہ ہو چکے تھے

اسی مناظرہ سے متاثر ہو کر پھر دائرہ اسلام میں آداخل ہوئے اور تازیست اسلام پر ثابت قدم رہنے کا اقرار کیا۔[61]

ضلع مظفر نگر کے مقام ویلم پر مولانا کا مناظرہ بابو رام دہلوی کے ساتھ ہوا۔ یہ مناظرہ 15 مارچ سے 17 مارچ 1918ء تک منعقد ہوا۔ پہلے دن قرآن شریف اور وید کے الہامی کتاب ہونے پر گفتگو ہوئی۔ دوسرے دن خدائے تعالیٰ کی تعریف اور وحدانیت پر گفتگو ہوئی، تیسرے دن تناسخ پر بحث ہوئی۔ اس مناظرہ کا جو اثر پبلک کے دلوں پر ہوا وہ یہ ہے کہ بحمد اللہ سب کے لیے اسلام کی حقانیت اچھی طرح واضح ہو گئی اور پبلک نے صاف طور پر آریہ سماج کی غلط بیانی کا مشاہدہ کر لیا۔

یونکہ مناظر آریہ سماج نے ایک مضمون کی بابت یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ مسئلہ قرآن مجید میں ہے۔ جس پر مولانا ثناء اللہ مرحوم نے بلند آواز سے فرمایا لو یہ قرآن مجید موجود ہے اس میں یہ مسئلہ دکھادو۔ قرآن کریم میں یہ مسئلہ ہرگز نہیں ہے۔ آریہ مناظر نے کہا کہ کل ہم قرآن مجید میں دکھادیں گے اس پر پنڈت مراری لعل صاحب نے گھبرا کر کہا قرآن یا حدیث میں دکھادیں گے۔ مگر دوسرے روز جب مطالبہ کیا گیا تو قرآن و حدیث میں بھی نہ دکھا سکے بلکہ ادھر اُدھر کی مارنے لگے۔ حالانکہ گفتگو صرف وید و قرآن کے کلام الہٰی ہونے پر تھی۔[62]

مذکورہ بالا مناظرہ سے مولانا فاتح لوٹے ہی تھے کہ آپ کو علماء کے اصرار پر خورجہ ضلع بلند شہر میں پھر سے آریوں کے سامنے میدان میں اترنا پڑا۔ خورجہ میں ایک ممتاز عالم دین مولانا مبارک حسین سے مناظرہ کے میدان میں شکست کھانے کے بعد آریہ اخبار "آریہ گزٹ" کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر پنڈت چندر پرکاش مسلمان ہو گئے۔ ان کے ہمراہ چند دیگر ہندو بھی مسلمان ہو گئے۔ جس سے آریہ سماج میں آگ لگ گئی۔ اور وہ مسلمانوں کو مناظرہ کے لئے للکارنے لگے۔ ادھر خورجہ میں کئی علماء اس چیلنج کا جواب دینے کی خاطر موجود تھے مگر مولانا مبارک حسین خود ویلم پہنچے تاکہ وہ مولانا امرتسریؒ کو دعوتِ خاص پر یہاں خورجہ لا سکیں۔ لہٰذا 17 مارچ کو مولانا امرتسریؒ ویلم سے فارغ ہوئے تو 18 مارچ کو سیدھا خورجہ پہنچے اور 19 مارچ کو مناظرہ شروع ہو گیا۔ آریوں کی طرف سے دو تین مناظر بدل بدل کر پیش ہوئے مگر مسلمانوں کی طرف سے مولانا ثناء اللہ ہی مسلسل مصروفِ کار رہے۔ آپ نے یہاں پنڈت رام چندر اور مہاشہ شانتی سروپ کو شکست دی۔ مناظرہ تحریری تھا اور "مذہب حق" کی تحقیق کا موضوع تھا۔[63]

آپ نہ صرف پنجاب کی سطح پر مسلمانوں کی نمائندگی فرماتے بلکہ ملک کے طول و عرض میں آپ کے مناظروں کا انعقاد ہوا کرتا تھا۔ انجمن نصرت الاسلام کی دعوت پر آپ کو آریہ سماج حیدر آباد (سندھ) سے مناظرے کا موقع ملا۔ یہاں مناظرہ 12 جون سے 17 جون 1929 تک منعقد ہوا۔ چھ دنوں پر مشتمل اس مناظرے میں آپ کو پہلے، تیسرے اور چوتھے دن مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے مقرر کیا گیا۔

روز اول کا موضوع "مسئلہ تناسخ" تھا اور آپ کے مدمقابل پنڈت ست دیو تھا۔ پنڈت نے مسئلہ کے ثبوت میں ابتدائی تقریر کی تو آپ نے بنیادی سوال قائم کیا کہ جب انسان کرم جونی ہیں اور حیوان بھوگ جونی ہیں اور روح حیوانی قالبوں میں سزا بھگت کر انسانی قالب میں آتی ہے تو اندھا اندھا کیوں ہے اور لنگڑا لنگڑا کیوں ہے؟ پنڈت سے اس سوال کا جواب نہیں بن پایا تو موضوع سے خارج مباحث کی طرف نکل کھڑا ہوا۔ مولانا کو اس کے بعد مزید چھ دفعہ باری ملی تو آپ نے ہر بار اس سوال کو

پیش کیا اور جواب طلب کیا مگر فریق مخالف کی بے بسی عیاں ہوئی اور آپ نے خود تناسخ کے عقیدے کا ایک سادہ سی مثال سے رد کیا کہ کسی مجرم کو جیل خانے سے رہائی کے بعد دوبارہ سزا میں نہیں رکھا جاتا اور یہ کسی حکومت کا قانون نہیں تو پھر پرماتما ایسا کیوں کرے گا کہ حیوانوں کے قالب میں سزا بھگتنے والوں کو انسانی قالب میں بھی سزا دے؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ اندھا لنگڑا ہونا کسی جرم کی سزا نہیں۔ لہٰذا تناسخ کا عقیدہ غلط ہے۔ تیسرے اور چوتھے دن کا موضوع "قرآن شریف الہامی کتاب ہے" تھا اور آپ کا سامنا ان ایام میں پنڈت دھرم بھکشو سے ہوا۔ آپ نے بھکشو کے تقریباً پچیس سوالات کے مسکت جواب دیئے۔[64]

دینانگر کے مقام پر 4 اور 5 اگست 1906ء کو آریہ سماج کے لالہ صاحب دیال سے مولانا کا مباحثہ ہوا۔ موضوع وید کی حقیقت سے متعلق تھا۔ مولانا نے مخالف مناظر سے سوال کیا کہ وید کی سچائی کا ثبوت کیا ہے؟ تو لالہ صاحب نے کہا کہ وید پر آپ کو جو اعتراض ہے تو آپ اس کے جھوٹا ہونے کی دلیل پیش کریں۔ تو آپ کا جواب تھا" چونکہ وید قدرتی سائنس کے خلاف کہتا ہے لہٰذا الہامی نہیں۔ وید کہتا ہے کہ شیشے اور پتھر کو جوڑ کر ایک کھو کیونکہ وید کہتا ہے جس کا نطفہ ہے اُس کا بیٹا نہیں اور جس کا نطفہ نہیں اس کا بیٹا کھو یعنی نیوگ"۔ لالہ صاحب نے دو نکات کے ذریعے نیوگ کا دفاع کیا۔ ایک یہ کہ جیسے مسلمان ضرورت کے وقت سور کا گوشت کھا سکتے ہیں اُسی طرح نیوگ بھی حالتِ ضرورت میں ہے اور دوسرا یہ کہ جیسے اسلام میں لاوارث کی وارث سرکار ہوتی ہے ایسے ہی نیوگی بچہ کو نیوگن کے خاوند کا وارث بنایا جاتا ہے۔ مولانا نے ان دلائل کا خوبصورت رد کرتے ہوئے فرمایا کہ "سور کا گوشت کھالینا قانون قدرت کے خلاف نہیں۔ دانت چبا سکتے ہیں، معدہ ہضم کر سکتا ہے ہاں ایک اخلاقی برائی کی وجہ سے شریعت نے منع کیا ہے سو ضرورت کے وقت مباح کر دیا گیا"۔ اور دوسرے نکتے کے رد میں فرمایا" سرکار اس کی وارث ہو جاتی ہے کہ اس کا اصلی وارث کوئی نہیں ہوتا نہ یہ کہ سرکار اُس کی گوت اور کنبہ سے ہو جاتی ہے"۔[65]

حاصل بحث

حاصلِ بحث یہ ہے کہ جب دیانند سراسوتی کی تحریک آریہ سماج اپنی معاصر تحریکوں شدھی اور سنگھٹن کے ہمراہ اسلام، پیغمبر اسلام اور اہل اسلام پر حملہ آور ہوئی تو علمی میدان میں سب سے آگے بڑھ کر مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے ان کی سازشوں کا دندان شکن جواب دیا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں اپنی زندگی صرف کر دی۔ اُن کے زبانی اور تحریری اعتراضات میں سے کسی کو بھی ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا۔ آپ نے اسلام کی حقانیت کو اپنوں اور دوسروں پر واضح کیا۔ آپ کو دلیل کی قوت پر غیر متزلزل یقین تھا۔ آپ نے ثابت کیا کہ اسلام نہ تو کوئی آسان ہدف ہے اور نہ ہی تر نوالہ ہے کہ مخالفین اپنے عزائم کی تکمیل میں کامیاب ہو سکیں۔ آپ کی خدمات کی بدولت بعض مرتدین کو دوبارہ ہدایت نصیب ہوئی اور کئی ہندو بھی داخلِ اسلام ہوئے۔ آپ نے بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں جب عملی زندگی میں قدم رکھا تو برِصغیر انتہائی نازک حالات سے گزر رہا تھا کہ تمام موجود مذاہب ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے اور مسلمان اپنی آزادی کا عزم لئے منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ ایسے میں آپ نے حالات کی نزاکت کا مکمل احساس کرتے ہوئے اپنی زبان اور قلم کو دفاع اسلام کے لئے استعمال کیا اور کبھی کوئی اشتعال انگیز بات نہیں کی کہ امن عامہ کو خطرہ لاحق ہو جائے۔ آپ نے ہمیشہ اعتراض کا جواب

دلیل سے، گندگی کا جواب صفائی سے اور نفرت کا جواب محبت سے دیا۔ آپ نہ صرف ایک ثقہ عالم دین تھے بلکہ آپ ایک عظیم مصنف، بلند پایہ صحافی اور عدیم المثال مناظر تھے۔

حواشی و حوالہ جات

---

[1] ندوی، علامہ سید سلیمان. یادِ رفتگاں. ط: 1983ء، مجلسِ نشریاتِ اسلام، کراچی، ص373

[2] Khan, B.A. The Polemical History of Twentieth Century Punjab, in challenges to Religions and Islam. Ed. Hamid Naseem Rafiabadi, Sarup & Sons, New Delhi, 2007, Vol. II, p. 982.

[3] امر تسری، مولانا ثناءاللہ. مقدس رسول. ط: مکتبہ الفہیم، مبوناتھ بھنجن، یوپی، س ن، ص34-35

[4] امر تسری، مولانا ثناءاللہ. تُرک اسلام. ط: مطبع برقی پرنٹنگ پریس، امر تسر، س ن، ص ا

[5] امر تسری، مولانا ثناءاللہ. سوامی دیانند کا علم و عقل. روز بازار پریس ہال، امر تسر، ص15

[6] امر تسری، مولانا ثناءاللہ. تقابل ثلاثہ. ط: 1923ء، روز بازار پریس ہال، امر تسر، ص7

[7] Tara Chand, History of the Freedom Movement in India, Publication Division, Ministry of Information and Broadcasting, India, 1983, Vol. II, P. 423.

[8] The Polemical History of Twentieth Century Punjab, Vol. II, p. 996.

[9] خواجہ، حسن نظامی. اسلام اور آریہ سماج کی ترازو. ط: روہڑی پریس، دہلی، ص27

[10] ڈاکٹر غلام علی خان. بیسویں صدی کی بنیاد پرست ہندو تحریکیں. ط: ۲۰۱۱ء، پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ، ص141

[11] غازی محمود دھرمپال. وید اور سوامی دیانند. ط: مدینہ بک ایجنسی، بجنور، ص25؛
G.R. Thursby, Hindu-Muslim Relations in British India, E.J. Brill, Leiden, 1975, p.12.

[12] امر تسری، مولانا ثناءاللہ. حق پر کاش. ط: ۲۰۰۱ء، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور، ص11

[13] غازی محمود دھرمپال. داستانِ غم. ط: ۲۰۱۲ء، حسرت و منصور، فیصل آباد، ص187

[14] تُرک اسلام، ص17

[15] ایضاً، ص202

[16] داستانِ غم، ص202

[17] امر تسری، مولانا ثناءاللہ. تغلیب الاسلام. ط: ۱۹۰۵ء، مطبع اہلحدیث، امر تسر، 1/8

[18] نوشہروی، امام خان. نقوش ابوالوفاء. ط: ۱۹۴۹ء، ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور، ص38

[19] دھرمپال نے ارتداد کو ترک کرتے ہوئے اسلام کو اختیار کر لیا اور غازی محمود دھرمپال کا نام اختیار کیا۔ آپ سید سلیمان سلمان منصور پوری کے ایک خط سے متاثر ہو کر دوبارہ اسلام میں آئے اور آپ کی ہندو بیوی بھی مسلمان ہو گئیں۔[داستان غم، ص462-470]

[20] امر تسری، مولانا ثناءاللہ. تبر اسلام. ط: ۲۰۰۴ء، الکتاب انٹرنیشنل، نئی دہلی، ص9

[21] ایضاً، ص10

[22] Vishwa Prakash, Life and Teachings of Swami Dayanand, Kala press, Allahabad, P. 296 & 312.

[23] فاروقی، حافظ محمد اسرائیل. مذاہب باطلہ کے رد میں مولفین تفسیر ثنائی و حقانی کی کاوشیں (مقالہ برائے پی ایچ ڈی). شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور، ۲/۶۱۱

[24] عبدالمجید سوہدروی. سیرۃ ثنائی. ط: ۱۹۵۷ء، دفتر اہلحدیث سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ، ص251

[25] ایضاً، ص257

[26] مقدس رسول، ص5-18

[27] ان اخبارات میں روزنامہ زمیندار لاہور، روزنامہ سیاست لاہور، سلطان الاخبار بمبئی، مسلم راجپوت امرتسر، عالمگیر امرتسر، روزانہ وکیل امرتسر، وطن لاہور، المسلم بنگلور، اور دھرم پرکاش لاہور وغیرہ شامل ہیں[مقدس رسول، ص18-25]

[28] امرتسری، مولانا ثناءاللہ. محمد رشی. رسائل ثنائیہ. ط: ۲۰۰۶ء، دارالکتب السلفیہ، لاہور، ص316

[29] شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناءاللہ امرتسریؒ اور ان کی تصنیفات. ماہنامہ محدث. ط: ۱۹۸۴ء، فروری، بنارس، ص32

[30] امرتسری، مولانا ثناءاللہ. الہام. ط: ۱۹۰۴ء، مطبع اہلحدیث، امرتسر، ص2

[31] Lajpat Rai, the Arya Samaj, Longmans Green and Co. 1915, p. 147.

[32] سوامی دیانند سرسوتی. ستیارتھ پرکاش. مترجم: آتمارام جی شریمتی آریہ پرتی. ط: ۱۸۹۹ء، ندھی سبھا، پنجاب، ص۱۴۶

[33] امرتسری، مولانا ثناءاللہ، شادی بیوگان اور نیوگ، بحوالہ: مولانا محمد داؤد راز دہلوی. حیات ثنائی. ط: ادارہ نور الایمان، اجمیری گیٹ، دہلی، س ن، ص312

[34] Chandra Mauli Mani, The Evolution of Ideals of womenhood in Indian Society, Kalpaz Publications, Delhi, 2005, p. 139.

[35] ستیارتھ پرکاش، ص149

[36] سوامی دیانند کا علم وعقل، ص2

[37] امرتسری، مولانا ثناءاللہ. تحریف آریہ. ط: ۱۹۴۳ء، ثنائی برقی پریس، ہال بازار، امرتسر، ص2

[38] Robert E. Hume, Hinduism and War, the American Journal of Theology, Jan. 1916, p. 31

[39] امرتسری، مولانا ثناءاللہ. جہادِ وید. ط: ۱۹۲۴ء، آفتاب برقی پریس امرتسر، ص۱

[40] امرتسری، مولانا ثناءاللہ. تفسیر ثنائی. ط: ۱۹۷۱ء، ادارہ ترجمان السنۃ لاہور، 1/138

[41] عبدالرشید عراقی. مولانا ثناءاللہ امرتسری، علمی وتصنیفی خدمات. ط: ۲۰۰۱ء، طارق اکیڈمی فیصل آباد، ص62

[42] امرتسری، مولانا ثناءاللہ. ثمرات تناسخ. ط: ۱۹۱۰ء، مطبع اہلحدیثِ، امرتسر، ص2

[43] امرتسری، مولانا ثناءاللہ. ثنائی پاکٹ بک. ط: مکتبہ عزیزیہ، چوک دالگراں، لاہور، س ن، ص4

[44] سیرۃ ثنائی، ص252

[45] مذاہب باطلہ کے رد میں مولفین تفسیر ثنائی وحقانی کی کاوشیں، ص612

[46] امرتسری مولانا ثناءاللہ. حدوثِ وید. رسائل ثنائیہ. ط: ۲۰۰۶ء، دارالدعوۃ السلفیہ، لاہور، ص094

[47] فضل الرحمن بن میاں محمد. حضرت مولانا ثناءاللہ امرتسری. ط: ۲۰۰۱ء، دارالدعوۃ السلفیہ، لاہور، ص199

[48] ایضاً200

[49] The Polemical History of Twentieth Century Punjab, Vol. II, p. 984

[50] حضرت مولانا ثناءاللہ امرتسری، ص203-204

[51] ایضاً، ص200

52 اداریہ، ہفت روزہ "اہلحدیث". 7 ستمبر 1934ء، امر تسر

53 ماہواری رسالہ "مسلمان". مئی 1908، امر تسر، جلد اول، نمبر اول، ص 3

54 نقوش ابو الوفاء، ص 111-127

55 The Polemical History of Twentieth Century Punjab, Vol. II, p. 984

56 سید سلیمان ندوی، مولانا ثناء اللہ امر تسری. ط: ۱۹۴۸ء، معارف اعظم گڑھ، ص 389

57 پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج، مولانا ثناء اللہ امر تسری کی تفسیر ثنائی کا اجمالی جائزہ، الایضاح، دسمبر 2013، ص 53

58 مناظرہ مابین آریہ سماج و انجمن نصرۃ الاسلام حیدر آباد (سندھ)، مرتبہ انجمن نصرۃ الاسلام حیدر آباد سندھ، ص 14

59 عبد الرشید عراقی سوہدروی، تذکرہ ابو الوفاء، ندوۃ المحدثین اسلام آباد، 1984، ص 28

60 مولانا محمد داؤد راز دہلوی، حیات ثنائی، ادارہ نور الایمان، اجمیری گیٹ دہلی، س ن، ص 446

61 ہفت روزہ "اہلحدیث". 26 اگست 1904، امر تسر

62 ہفت روزہ "اہلحدیث". 12 اپریل 1918، امر تسر

63 سیرۃ ثنائی، ص 393-394

64 مناظرہ مابین آریہ سماج و انجمن نصرۃ الاسلام حیدر آباد (سندھ)، ص 3، 15-16، 55-59، 61-63

65 ہفت روزہ "اہلحدیث". 10 اگست ۱۹۰۶، امر تسر